رجسٹرڈ نمبر اے ۶۸۳
REGISTERED NO. A.783



M. B. … Artist
سلطان المطابع پریس لکھنؤ کشمیریاں میں باہتمام حکیم محمد ممتاز حسین مالک و ایڈیٹر چھپ کر شائع ہوا
… Lucknow
قیمت فی پرچہ

[redacted]

مینیجر کی نہایت ضروری عرض

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لیجاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی للعمر سالانہ قیمت لیجائے گی یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ ڈاک کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے خدمت ملک کر رہا ہے نمونے کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اُس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپکے مفید مطلب یا مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چہ ہفتہ کے اندر مزید تین ماہ پیشگی بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ الخیر فی ما السلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچے کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ کچھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں۔ مذہب یا نادہندی یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاک کے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن ہمیشہ ہوتا ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دو تحفانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہنچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناغہ کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب فوراً آ زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کیجاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاک خانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے۔

(۹) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہونگے وہ شائع نہونگے اور اُنکی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی حیثیت کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انھیں خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

٭لطف

جرابات ماجہ جبکہ ہم طبیب الملک ... بیحد مشکور ہیں جو حکیم صاحب ... ہندوستان کے ہوشیار گرنے ... خاص ہیں ایک ہی ... قیمت ... کیجیے۔ اگر ... ضرورت ... منگوالیجیے قیمت ... محصول ڈاک ... سید قاسم حسین دفتر اخبار اودھ

٭لطف میرزا کے استعمال کا بہترین نتیجہ ہم سنائیں مفصل اشتہار صفحہ ۲ و ۱۱ کے درمیان ضمیمے میں ملاحظہ ہو۔

جلد ۱۲ نمبر ۱۵
مضامین
۱۰، ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۲۶ء

عطوفت نامۂ منطق آرا بیگم

بجواب نصیحت نامۂ لارڈ اروِن

نمبر ۳

(تتمہ ۱۲، ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۲۶ء)

لاٹ صاحب! تمہارا حکم ہے کہ ریاستوں میں عوام بھی آزاد رکھے جائیں۔ شیر بکری ایک ہی گھاٹ پانی پئیں چھوٹے بڑے سب یکسان حالت میں ہوں۔ اس حکم یا نصیحت میں ایک لفظ بہت کٹھن ہے میں تو بیچاری عورت ذات پردے کی بوبو جہاں جلالان گفتوں کے معنی کیا جانوں۔ میں نے اپنے نواب سے پوچھا کہنے لگے "یہ خوب تم بڑی منطقی بنتی ہو تمہیں فارسی کا بھی علم ہے عربی کا بھی اس چھوٹی سی لغت کے معنی تمہیں نہیں معلوم بڑے تعجب کی بات ہے" اس پہ میں نے کہا کہ ہاں پھر ہم منطقی تو ہیں کیسا کا بیجا ہے؟ مگر یہ کیا ضرور ہے کہ دنیا بھر کے لغتے بھی معلوم ہوں؟

وہ "یہ تو بہت معمولی لفظ ہے۔ جو غلام نہ ہو وہی آزاد ہے"

میں "اچھا بتاؤ تم آزاد ہو کہ غلام؟"

وہ "خدا کے فضل اور گورنمنٹ کی عنایت سے آزاد ہوں"

میں "اے زری سچ کہنا۔ یہی منہ ہے آزاد کا! اے چلئے منہ۔ آزاد کے بھی کہیں دو بیویاں ہوتی ہیں؟ ہوش کی دوا کرو۔ آزادی بڑی بھاری چیز ہے۔ آرسی مصحف میں تم نے مجھ سے کہا تھا۔ بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام ہوں۔ آج کہتے ہو کہ گورنمنٹ کی عنایت سے آزاد ہوں۔ مارے تم اور تمہاری گورنمنٹ دونوں اپنی اپنی ہوس کے غلام ہیں۔ اس دنیا میں کوئی آزاد نہیں سب کے ماتھے پر غلامی کا داغ ہے۔ نام رکھنے کو جس کا جی چاہے رکھ لے۔ سرو کو شاعر آزاد کہتے ہیں جس کی ایک ٹانگ ہے وہ بھی زمین میں گڑی ہوئی مجال نہیں جو ایک قدم بھی بڑھ سکے وہ کب آزاد ہے۔ سوسن پر بھی آزادی کا الزام ہے دیکھو لو میرے بیان نامہ سے زبان کی ہے دس زبانوں پر بھی منہ میں گھنگنیاں بھری ہیں پاؤں زمین میں گڑا ہوا ہے جڑوں کی زنجیر میں پھنسا ہوا ہے۔ نواب تمہیں آج کیا ہو گیا ہے ایک مشہور لفظ کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھے۔ سٹی بھولی ہوئی ہے۔ نہیں جانتے ہو یہی ٹوپی والے فقیر اپنے تئیں آزاد کہتے ہیں مگر وہ گھر گھر کے ہیں بھوک کے مارے در در کی بھیک مانگتے ہیں اور آزادی کا دم بھرتے ہیں یعنی ہم کماتے نہیں دوسرے کی چند اٹھونک کے پیٹ بھرتے ہیں۔ سچ کہو یہ لوگ آزاد ہیں؟ میعاد ختم ہونے کے بعد قیدی رہا کیے جاتے ہیں یعنی انہیں قید سے آزادی تو ملتی ہے مگر تو بھی آزادی نہیں ہزاروں پولیس بالعموم کے ساتھ ہیں۔ شاعروں نے سبزے کو آزاد باندھا ہے جسے گدھے چرتے ہیں اور جو زبردستی دوسروں کی خوراک بنتا ہے۔ سبزہ روندا جاتا ہے جہاں جگہ پاتا ہے اُگتا ہے یہ آزادی بھی کوئی آزادی ہے۔ سرو میں پھل نہیں لگتے پیٹ بھر کا اثر نہیں ہوتا ہے ان دو قیدوں سے نجات ہوتے ہی آزادی مل گئی؟ موئی بازاریوں کی اولاد مادر پدر آزاد کہلاتی ہے لیکن شرعی طریقے کی پابندی کی پیدائش نہیں۔ تو کیا یہی آزادی کی قسمت ہے جس کی لوگ تعریفیں کرتے پھرتے ہیں۔ ہاں میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ گجرات کے ضلع میں ایک مقام آزادنام ہے وہاں کی آبادی بہت گوری چٹی ہے۔ یعنی سپاہی کی گھٹا ٹوپ سے آزاد ہے اسی وجہ سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ آزادی بھی ایک نام ہے گورے رنگ کا"

وہ "واللہ بیگم حق ہے۔ تم خوب مطلب تک پہنچیں بے شک گورے رنگ والے آزادی کے حق دار ہیں۔ تو پھر لاٹ صاحب نے ہندوستانی ریاستوں سے جو یہ کہا ہے کہ عام رعایا کو بھی آزادی کا حق ملنا چاہیے تو آخر کس وجہ سے ریاستوں میں کالے بھرے پڑے ہیں۔ اور گورا رنگ اپنے سوا دنیا میں کسی کو آزاد دیکھنا پسند نہیں کرتا حد درجہ یہ کہ ہر شہر امریکہ والے بہت آزاد خیال بنتے ہیں پھر بھی زندگی اختیاری کا فقدان ہیں جو گت کالے لوگوں کی آگے انھوں نے کی ہے چھبو۔ اسے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کپڑا اور آگ میں بھون ڈالا"

وہ۔ اب یہ تم انہیں سے پوچھو تم سے ان سے تو خط کتابت ہے"

لاٹ صاحب! میری اور نواب کی گفتگو تم نے سُنی اب تم ہی بتاؤ کہ آزادی سے تمہارا منشا کیا ہے۔ قیدیوں کی سی آزادی۔ سرو کی سی آزادی سبزے کی سی آزادی۔ سوسن کی سی آزادی۔ فقیروں (آزادوں) کی سی آزادی مادر پدر آزادوں کی سی آزادی۔ یا شہر آزاد کے رہنے والوں کی سی آزادی ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے ؎

فاش می گویم و از گفتۂ خود دل شادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

جھک مارتا ہے موا۔ عشق میں آزادی کہاں؟ آزاد تو دو سروں کو ویسا پابند کرتا ہے جیسے انگریزوں کی قوم۔ عشق کا غلام اور آزاد؟ یہی ہے تو عاشق کیوں روتے پھرتے ہیں ؎

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا
بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا

ہاں جس نے یہ شعر کہا ہے وہ سچا ہے ؎

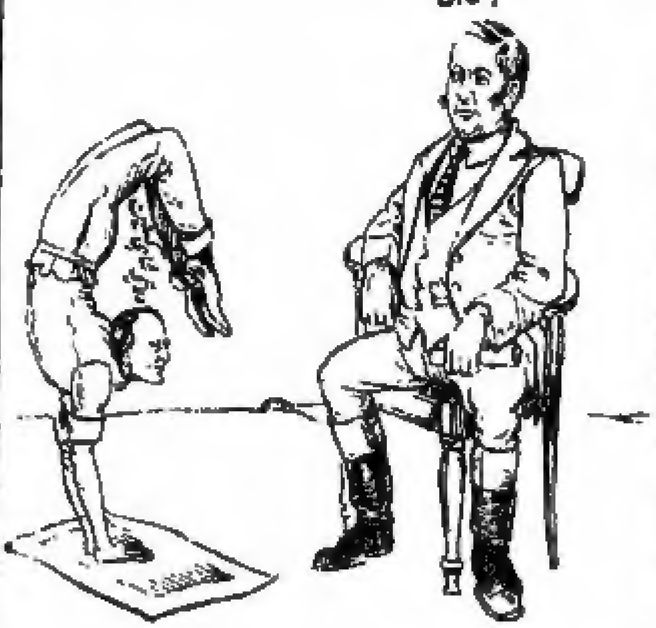
صد قسمت آزادی مردم بگذشت
کیسن مرا دولت کہ بہشت آں ہم بگذشت

آزادی اور اسکا نتیجہ جو کچھ ہے وہ اچھی طرح دنیا کو معلوم ہے۔ ابھی زیادہ دن بھولی نہیں حالانکہ

حالانکہ ایک آن کی شان نے بار ہا کی ملاقات کر دی اور بھول جاؤ جب کہ آزادی کا نام لینے والے پنجے کی قید سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہوئے۔ اور ہر جیتے جی اُن میں سے کئی جیل خانے کی چکی میں آ جاتی ہیں۔ حق اللہ پاک ذات اللہ ہی ہی پھر صد آزادی کی زنجیلیں ہیں کہ یہ ہے جن برٹش کی عملداری میں آزادوں کی یہ گت ہے تو میری جان اپنے خدا کی ان کے سیاسی رہا یا غریب کی شامت آزادی کے وہ معنی نہ بتلاؤ۔ آزادی کمزوری ہے ایسی بری چیز کہ نام سنتے ہی انسان بے قابو ہو جاتا ہے۔ ہندوستانیوں کو آزادی کی چاٹ ہی کس نے دکھایا۔ جب کوئی گوری چٹی آزادی کسی کالے کلوٹے بیگن گلے غلام کے گھر میں گھستی ہے تو آتا کون پنچ جوتی ہے۔ میرا غلام لڑکا میں تمہارا غلام زادہ تعلیم کے لیے ولایت بھیجا گیا وہاں ایک گیسو بریدہ آزادی پکڑ لایا ہے کیا کہتی جو اس آزاد ہوئے یار پھیر تھا ہے بس اُٹھتے بیٹھتے آزادی ہوں۔ مگر کیا کروں اپنے دام کھوٹے تو پرکھنے والے کو کیا دوش۔ بکو نگوڑے تو غلام بچہ اوساؤں کا غلام تم بیٹھے ہانک اُچھال پھینکا آزادی وہاں سے آخر کس طرح سمیٹ لایا تو اتنا بھی غور نہ کیا کہ یہ تجھے راس آئے گی۔ خیر لیڈی آزادی تحسین کیا کروں۔ جیسا تم نے مجھے اپنے سے جلایا ہے ویسا خدا سے پاؤ۔ ائے لاٹ صاحب تم یہ قصہ سنو تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں صاحبزادے نے ولایت سے تار دیا کہ ہم چل کھڑے ہوئے اگلے ابا کی باچھیں کھل گئیں لگے اہتمام

کرنے۔ مکان صاف کرو۔ کوڑا کرکٹ نہ رہنے پائے سفیدی پھروا دو۔ چقیلیاں ہر قسمی کروا دو۔ میگزیں لگانے کے لیے وہ کو فرنی منڈوا دو۔ نے کے لیے وہ ہاں ملاقات کے لیے۔ دیکھو ایک سگار میز اور دو ایک آرام کرسی بچھا دو۔ یہاں ایک غسل خانہ الگ چاہیئے پھر کمرا۔ حمام۔ نہانے کی جگہ تیار ہو۔ کھانے کی میز پھر تو ہے۔ ذرا اور بڑی ہونی چاہیئے۔ آرسیاں کی درستی ٹھیک کرو۔ دیکھو تپی صاف ستھرے

باوا نے صورت بھی نہ دیکھی تھی کہ آتا اور ہے نہ اور ایسا کم بہرے کی آواز لگائی۔ واہ سے ملنے میں وقت بیکار ضائع کرنے ہو تیلی تیلی کرکے آنکھیں نکالیں۔ سپاہ بیٹھاتے میں مدد دینے پر صاحبزادے کی خبر لی اب بابا غریب چپ کا تو تو لیں جان میں۔ یہ کون ہے کیوں میرے لڑکے ساتھ آئی۔ مگر سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو یہ صاحبزادے کی آزادی ہے۔ خیر بھئی آئی ہے تو آنے دو وہ مہاجر بہو اور گفتگو تعلیمی کے سر پہ لادے سیدھے گاڑی پر لدے اور اسٹیشن کے پاس کوئی ہوٹل تھا اسمیں اتر پڑے بابا منہ دیکھتے رہ گئے۔ جھینکے بیٹھے گھر آئے میں نے پوچھا بھیا کہاں ہے جھنجھلا کے بول اٹھے۔ گیا کمبخت اپنی آزادی کی دم میں بہت پوچھا تو بیچارے نے ساری رام کہانی کہہ سنائی کہ سلام بندگی تک بھول گیا۔ سنتا ہوں کہ جس ہوٹل میں ٹھہرا تھا وہاں کی بادرچن پر لٹو ہو گیا اسی کو ساتھ لے کے یہاں آیا ہے۔ صورت دیکھو تو تحسین ہول آ گئے ہاں رنگت البتہ گوری ہے۔ بس اتنا سننا تھا میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ائے ہے یہ لونڈے کو کیا سوجھی تھی! یہ کون سا رنگ چڑھا مگر کیا کرتی مجبور تھی۔ زمانہ ہے آزادی کا۔ بس دم کے خاموش ہو رہی۔ دوسرے دن صاحبزادے اپنی نرغل کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گاڑی سے اتر کے گھر میں تشریف لائے۔ میں بڑھی بلائیں لینے۔ اتفاق کی بات ہاتھوں میں عطر بھرا تھا۔ عطر کی بو ناک میں کیا پہنچی کہ دشمنوں کی ناک میں کسی نے مرچان کی دھونی دی۔ فوراً تھنتے



کمیشن :- ہے رو رہا۔ ہے پیا۔
جان بل :- اس قلابازی کا مطلب؟
کمیشن :- پاؤں سے چلنا عام بات ہے۔ اب ہندوستان ہاتھوں کے بل چلے تو زیادہ مناسب ہے اس چال میں پاؤں کی جوتی سر پر پہنچ جاتی ہے۔

دھا کرو۔ یہ پر چار چار جوڑے تانتی۔ تمہاری پسند میں کوئی خاندان اچھا ہو تو دھونڈ دلاؤ۔ غرض بازی رہی بڑی دھوم دھام آ رہا تھا لیکن وہ بھی بھرن۔ دعائیں مانگ کے اتنے دن گزرے۔ خدا خدا کر کے صاحبزادے آئے بار لگے اسٹیشن پر لینے صاحبزادے ریل گاڑی سے اترے۔ صاحب نے سلامت سوتا سا ہاتھ بڑھا دیا ہاتھ ملاؤ فرمایا اور پوچھا تم اچھا؟ دیسی بابا کی مزاج پرسی ہے؟ وہ بولا دو میں اچھا؟ یہ بھی اماں کا خطاب ہے۔ ابھی اچھی طرح

بند کرکے بیٹھ رہیے۔ اور گھر اب گھر اب معلوم ہوتا ہے صاحبزادے بی آزاد ہو کر نکل جانے کے واسطے تلے بیٹھے ہیں۔ میاں بی بی میں گٹ پٹ (انگریزی میں بات چیت) ہوئی اسکے بعد آزاد ہوا تو پہلے کے بھرے گھڑے آگے بڑھیں۔ کیا کوئی دل پر جبر کرکے میں لے بھی ہاتھ پھیلا دیے۔ واہ صاحب سچ کہتی ہوں مجھ لے پرستے یہ معلوم ہوا کہ جیسا ٹوکنگیں آزاد ہو اور کچھ مقدر ہے زندی سا فرق نہ تھا صاحبی (صاحبوں) اور جیسے ہوئے تمباکو سنگھا اور کچھ خراب کی بوتل کے وہ قتال طرح دماغ میں تیر کی طرح گھسی کہ کچھ بلا ہی آگئی سارے بے ایسی طرح آزادی تھی کہ توبہ اُس سے تو ہماری غلامی کی پیٹرا رو رہے بھی ہے۔ ہنسے سہاگی۔ اگر کی چوٹی اور عطر کی خوشبو سے بغاوت کی شکنیں سچ کچ ایک پھول بن جاتی تھیں۔ یہ نئی لیلی رنگت کی بوتھی اے اللہ گناہ ہو تو معاف کر۔ پھر لباس اور پوشاک جو دیکھی تو آنکھیں کھل گئیں بگڑی گھٹنوں سے اونچی کھنیاں بنے۔ ڈھیلی ڈھالی آدھے ڈیل کی باڑی اور اکثرے ٹرتے تھا سے پھر پھڑاڑتے بال جو دیکھے تو ہوش اڑ گئے جوان جوان عورت کو دیکھو اور یوں ننگ مسود اخصر تھا سینہ کھولے گھیرن میں پھر نا دیکھ لے خدا ہی آبرو بچانے والا ہے۔ میں نے تو میاں صاحب سے کہا کہ بھلا اس نخرے دکھو میں یہ آزادی کیونکر بیٹھے کی صاحبزادے سے پہ مجھ کو ساتھ میں

رینگیں، علاوہ تو دنیا بھر دولت کیا جائے۔ وہ کچھ ایسے نقشے میں تھے کہ گال پھلائے طرہ کرے میں بیٹھے رہے میری بات کا جواب نہ دیا۔ میری سمجھ میں کسی طرح نہ آیا کہ آزادی کی کیا خاطر کروں۔ ہاں وہ کھاتی نہیں۔ سوا سو ختند ستگھا میرے گھر میں نہیں۔ وہ بھی ایسا نک ہو ہو کے اونچی دیوار دن کو گھستیں کبھی باور چی خانے کا جائزہ لیتیں۔ کبھی نگاہیں آسمان کی سیر کرتیں کبھی زمین کی۔ خیر میں نے مست و تیہ کھوایا کچھ تنکے کشتی میں رکھے اور لڑکی سے کہا کہ بجرے کو بچھاد و۔ لڑکیاں خود حیرت میں تھیں۔ چھوٹی لڑکی نے کہا ادی فلاں جان جیسی میں نے کہا یہ کیا کرسی پر بیٹھیں میں وہ کہنے لگی کہ واہ بھیا تمہارے علاج کے لیے ڈاکٹرنی آئے میں بیٹا کا بیاہ کب ہوا۔ ہمارا نیک گمان ہے۔ خیر گھنا تو انھوں نے امیروقت پہنا اور امیروقت آتار کے رکھ دیا۔ مگر بی آزادی ایک گھنٹے سے زیادہ گھر میں نہ ٹھیں بسکٹ کھا ئی چنا ٹوپی پہنے گھنٹا بھر کے لیے پیل وہ چلیں۔ لوگیوں نے ابو کی منا ہے سے تھوڑی بہت انگریزی پڑھی ہے وہ کہتی تھیں کہ آزاد ہو کر بھی بی خدمت لیند آئی میاں سے کہتی تھیں کہ اسکو ساتھ لیتے چلو یہ میری بہت اچھی سہیلی ہو سکتی ہے میاں نے منظور نہیں کیا اور جواب دیا کہ یہاں کا دستور پردے کا ہے ہر چند کہ میں اسے ایک منزل

کہتا ہوں لیکن ہندوستان میں رہنا ہو کر پردے کی پابندی ضرور کرنی پڑے گی۔ پھر ریکارڈنگ ہوا کئے غلام میں محبت ہوتی رہی۔ بی بی نے بھی گھر کے میاں کو اول فول ڈرامہ قول سنائی۔ آگے کا قصہ بہت دلچسپ ہے۔ اللہ نے چاہا تو پھر سنا دوں گی۔

راقم

مغلانی آما بیگم

نگارستان

لیشہ

"ایک شب کی قیمت"

حضرات! یہ ایک مضمون کا عنوان ہے۔ تمام مضمون دیکھ جایئے۔ "قیمت" کے زر نقد کی کھنک جھنکار کا پتا نہیں البتہ فیروز اس الفاظ میں نازک کا اظہار ہے یعنی رات بھر لعل خود حسین طلوع صبح

بحکم جناب سید ... صاحب بہادر ... سب جج ... بلند شہر نوٹس بنام ... کو

سمن بنابر انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قاعدہ ۱۰)

نمبر مقدمہ ... سنہ ۱۹۲۸ء

عدالت خفیہ ... بلند شہر ... ضلع میرٹھ

[illegible]

بنام

[illegible]

[illegible]

آج بتاریخ ... اپریل ۱۹۲۸ء کو ... جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم ... انگریزی

مہر عدالت

کرتے رہے اور صبح کو بیسے کے تیسے آ لٹکائے ہوئے۔ افسوس کہ اس قسم کے حالات سے تحفہ والے کو ہمدردی نہیں ہوئی۔ دام بیکار گئے۔ قیمت ضائع ہوئی۔ اس مضمون کا خلاصہ انسانی زبان میں یوں ہو سکتا ہے کہ اُجرت یا قیمت پر ایک پر کشش بلائی خدا جانے وہ کمبخت کیسی تھی جو طرار کے پڑ کے سر رہی۔ مرد میدان عشق کا بس معشوقہ سے نہ چلا مگر عنایات کو یا یہی الفاظ کا کیا دینے لگا:۔

"عریاں یہ وہ رات ..... برہنہ جو اس کا
ہر لمحہ ..... اُنکو عریاں اور برہنہ کر دیا
یہی تھی اس انتظام کی وجہ تخیلات صباحی کو
مضطرب کیے ہوئے ہے"

حالانکہ بیچاری "رات" کی نگاہ میں ساری خرابی 'عصمت' کی ہے۔

ایک اور بڑے میاں اپنی بی بی کو روزے پر ٹالتے رہے "انشاء اللہ عید کے دن دیکھا جائیگا" عید سے ایک ہفتہ پیشتر اہتمام شروع ہوا کنگھی چوٹی سرمہ مسی مہندی عطر پھلیل الائچی پان تمام سامان جمع کیے گئے دن گنتے گنتے ہفتہ گزرا آخر عید کا دن بھی آ ہی گیا۔ مگر افسوس بقول نگارستان "رات عریاں" ٹھہری۔ عصمت کا شوق پامال کر گیا۔ تخیلات صباحی کے اضطراب نے زور جو باندھا تو بیچارے نے یہ کہہ کے خفت مٹائی:۔

"بی بی کیا پھر عید نہ آئے گی۔ انشاء اللہ [illegible]"

دوسرے ایسی صاحب زری کسیتہ پر عاشق تھے انھوں نے "عصمتِ معاشرت" میں وقت ضائع نہیں کیا "بقول نگارستان" آج کل اُنکا کرنا اس سب سے زیادہ تباہ کن حصۂ جسم پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ "بقول نگارستان" سانا ہیجان سرخ "جس سرانگشت نازکی کی ہوا پر چھوا گیا وہ آج کل کے ساتھ معشوقہ کے اُس حصہ جسم سے مَس ہونا چاہتی تھی "بقول نگارستان" وہ عبارت محبت کے رد عمل کو برداشت نہ کر کے بے ہوش ہو کر گر پڑے بلکہ صبح ہوئی گلو غرور ان کے اندر سے شش جہت فانوس کا گل کیا اور کپڑے الٹنے لگے گرم سے سارا روا ہے وہ عامیانہ محاورہ استعمال نہ کرتا چاہو اس موقع پر زیب ایک شب کی قیمت وصول کرنے والیاں استعمال کرتی ہیں۔

"واہ میاں واہ ساری دنیا ٹھگ گئی"

ورنہ تمہارا دھڑی بال سے بار ایک ٹھہرے گا اور ابطال دعویٰ میں تحقیق کی یہ سیاہ اور پیچیدہ دلیل پیش کی جائے گی۔

بہرکیف مضمون کا خلاصہ ختم ہوا اب دیکھیے کس حسن سے ایک شب کی قیمت نے چشم ناظر کے سامنے کتنے اخلاقی نصائح پیش کیے۔ کتنے ادبی رموز تعلیم کیے کس قدر اُجرت طرازی کا بھولا ہوا آموختہ یاد کرا دیا۔ اور کس درجہ حقیقی علم و فضل کا ثبوت دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مضمون نگار نے اس قسم کی مضمون نگاری سے اخلاق فاضلہ کا ایک مدرسہ کھول دیا ہے اور دنیا میں ایسے دھشیا رہے اندھوں کی کمی نہیں جنکی آنکھیں ان مضامین سے روشن ہو گئیں۔

انصاف سے کہیے غریب نواب مرزا شوق پر مثنوی "لذت عشق" کی تصنیف کے بارے میں کیوں اعتراض کیا جاتا ہے امانت مرحوم نے واسوخت میں کیا غضب ڈھا دیا۔ جان صاحب وحشت کی رات کی نظم سے کیوں قابل ملامت ٹھہرے؟ ان تصنیفوں میں حیوانی قوتوں کو برانگیختہ کرنے کا سبب تو ضرور ہے۔ نوجوان حرکتیں پیدا ہو رہی ہیں خود دیکھیں کہ اپنا تجربہ ہو اُنھیں ادبی خوبیوں سے مالامال ہیں نہ کہ انسانی کی جان ہیں۔ یہی کیا کم ہے۔ لیکن نگارستان کے اکثر مضامین تو ایک شریف باحیا شخص کے دیکھنے کے قابل بھی نہیں اور سراسر زہر آلودہ کی جان کا وبال بھی ہیں۔ کوئی شخص اس "زبان میں بات چیت نہیں کرتا۔ (۱) پیار سارا جسم ایک طمانچہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ (۲) آفت رسیدہ وہ سینہ و گردن کی عریانی۔ (۳) اب میرے کانپتے ہوئے ہونٹ تیرے کٹ ہاتھوں سارے جذبات کو منتقل کرنا چاہتے تھے کہ ایک قطرہ لیے آفتاب کی شعاع اولین کے ذریعے تمام جو سا ہتا پھیل جاتا تھا ایک بجلی سی روشنی کے ساتھ میرے خرمن حیات پر قبضہ کر لیا۔ پھر اب میری حیات کیسی۔ (۴) آزمودہ و ظاہر کی آغوش (۵) وہ بے پردگی جس سے ہو کر بے حجابی کے دھلے تختہ رہے لیکر عریاں ہو جاتی ہے۔ (۶) نشہ کی بچھانس (۷) حلقہ وا دائرہ (۸) ایک نزہت تھی یاسمین (۹) ایک نظافت تھی صباحی۔

اس قسم کی عبارت لکھنے پر ہر شخص قادر ہے جس کا جی چاہے چند غیر مانوس الفاظ کا گورکھ چند فارسی عربی الفاظ سے جنکا نا ترتیب ملائے کر دے اور صفحے کے صفحے لکھتا چلا جائے اردو پنچ میں ایسی نظم و نثر پر حضرت ادیب الادب ما شعر و الحکمۃ نے سیکڑوں مضمون لکھے۔ جنکا دہرانا غالباً ہوگا۔ یکجائی ہوئی بات بے مزہ ہو جاتی ہے۔ نگارستان کے مصنف صاحب سے ہمیں نیاز حاصل نہیں نہ اُنکے حالات کا علم ہے کہ زبانی عرض معروض سے کام نکل جائے اُنکی کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں ہم اُنکی تصانیف سے روشناس ہیں اعادہ سے واقف ہیں کہ بعض ملکی مذاقوں نے آسانی سے جو پائی تو اُنکی پیروی کرنے لگے۔ اس دوائی ناچ سے ملکی زبان اسیطرح محفوظ رہ سکتی ہے کہ اُنکے ناظم آشکار کر دیے جائیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انھیں ہم مذاقوں نے اس زبان اور طرز کا نام "عریاں نگاری" رکھا ہے اور اپنی صحبت میں نہایت فخر سے اپنی عریاں نگاری پر حظ اٹھانی فرماتے ہیں اپنی رسائی کی بدولت یا ہم مشرب ہم مذاق دوستوں کی عنایت سے اُنکی کتابیں نصاب تعلیم مقرر کرنے والی کمیٹیوں میں پہنچنے لگی ہیں۔ خدا نخواستہ اگر عریاں نگاری کی



وہی اسلام! وہی انقلاب! ایں چہ می بینم۔ شاہ خانم بہ اروپا دیدہ رفت گیسو بریدہ نقاب گسستہ فرنگی شد!

جتنے عنوان ان کہانیوں کی رات سے بہت ہی آئے ہیں
اسکول میں پڑھنے والی لڑکیوں کے ہاتھ میں نہ دینی کی
عریان ایسی ہی کسی حکیم یا عالم کے نصائح ملتی
سالم نفس ہے کہ یہ مضامین بیگانہ توجہ ملاحظہ
کیے جائیں لارڈ بائرن کی مشہور غیر مطبوعہ نظم
امراؤ جس کنتش یاد دلاتے ہیں ملاحظہ اور ان
مضامین میں کوئی زیادہ ابہام یا اختیار نہیں ہے۔
ایک مرد فاحش کی فاحشی اتنی مضر نہیں ہو سکتی
جتنی کہ فحش کی قصیدہ خوانی۔ مطالعہ مضامین
دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عریاں نگاری
ہر قسم کی بد اخلاقی یہ تمامی الامین سادہ لوح تماش
کو اسی طرح آمادہ کرتی ہے جیسے کوئی کشش۔ خدا
نہ کرے جو بچوں کے طبعی قوی مشتعل ہوں۔ لوگ
اپنے طرب عالم کی کہانیاں ان کے کانوں تک
مل اموریت کے ساتھ پہنچائیں اور وہ پڑھتا
لکھنا چھوڑ کے در قاصد کی تلاش اور ان کی شب
کی قیمت حاصل کرنے میں محو ہو جائیں۔

وہی مثل ہے کہ قاضی جی اپنی جوہرو ایک ہی نہ
سہی عارضی سہی کا منھ چومتے تھے اور علماء ان
پر احسان کرتے تھے۔ حالانکہ سوتے بچے کا
منھ چوما دن خوش شد ا ہے۔

عزت کے ساتھ ادبی و اخلاقی اصلاح کا
حق جو کچھ ہم سے ہو سکا ادا کیا اب انشا اللہ
دوسروں کا فرض ہے۔ عربی اور فارسی کے غیر
مانوس الفاظ کل وبے محل استعمال کرنے سے
آن پڑھ یا کم سواد لوگ جلدی مرعوب ہو جاتے
ہیں انھیں اتنا وقت نہیں ہے کہ سالہا سال
تک لات و عزیٰ کیسے ہیں۔ یہ بھی مقدس ہیں۔
یہ نہ سمجھے کہ بندے کا کفر بڑک گیا۔

ناقد

کمیل گاؤ

پنجاب میں اُردو

عالیجناب حافظ محمود خان صاحب شیرانی
پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی ۔۔ تصنیف

اعتبار سے وصورت بہت خوب ہے مصنف
نے محنت کے ساتھ اُردو کی ایک ضروری خدمت
انجام دی ہے۔ اسوقت پنجاب میں اردو کی بقا
ترقی پر ہے وہ دن دور نہیں کہ وہ مثل دہلی اور
لکھنؤ کے اُردو کا مالک یا مرکز بن جائے۔
ہم نے اس کتاب کا مطالعہ بالاستیعاب کیا
صرح موصوف کے اکثر مختارات سے ہمیں اتفاق
ہے کوئی شبہ نہیں کہ اُردو کا حدوث مسلمانوں کے
عہد میں ہوا عربی و فارسی اسماء ہندی روابط
وافعال سے ملے ایک کھچڑی تیار ہوئی جس کا نام
اُردو رکھ لیا۔ مسلمان لڑتے بھڑتے یہاں آئے
تھے جب وہ بڑے تو یہیں کی عورتوں سے
شادی بیاہ کی ٹھہرائی۔ فوجی ضرورت سے
ایک بازار آج بھی لشکر کے ساتھ ساتھ رہتا ہے
پہلے بھی رہتا تھا۔ خرید و فروخت میں سوداگر
وخریدار بات چیت پر مجبور ہیں۔ لہذا اپنی
زبان میں جس طرح آج اُردو کے ٹوٹے پھوٹے
الفاظ ملا کے بولتے ہیں اسیطرح ہندوستان
کی جان پر نازل ہونے والے مسلمان اُسوقت
ہندی پر نصرت فرماتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے
جمالی شاعر نے ایک بازاری عورت سے یوں
حکایت کی (یہ ان صاحب ایرانی تھے بھلا ترکی
گفتگو کیوں کرتے) فرماتے ہیں ؎

گوہر گفتی کہ جمالی تو ہیت
تم کیا کرو اپنا گزر تی ہے
عشق دہدہ ... میں دو آرزوئے وصل تو
گشتا شدہ وپیش درت تی ہے

معلوم نہیں یہ بازاری جمالی صاحب کا شکوہ کبھی
بھی یا نہیں۔ خیر وہ سمجھے یا نہ سمجھے آغا جی کہلائی
کہ گیا۔ بیچارے کی زبان میں تانیث و تذکیر کا
امتیاز نہیں ملتے آغا شی ہے اور آغا مرتا
ہے۔ بھالی دان کو ناک بھوں چڑھانے کی
ضرورت نہیں۔
مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کی راہ
بھی سندھ اور پنجاب ہے لہذا مصنف کا یہ

دعویٰ کہ اُردو کی بنیاد پنجاب میں پڑی قرین قیاس
ضرور ہے۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی قابل توجہ ہے
کہ ہندوستان بھر کی بولی کسی زمانے میں بھی ایک
نہ تھی۔ آج بھی وہی حالت ہے دکن پنجاب بنگال
اور دوسرے صوبوں کی زبان ایک دوسرے سے
بالکل متغائر ہے۔ لہذا وہ اردو جو اردوئے لشکر
نے نہیں دہلی اور معاملت کی ضرورت سے پیدا کی
ہمیشہ مختلف رہی کبھی دکن کا پرچا ان پڑا کبھی
پنجاب کا۔ جہاں گئے وہاں رنگتی ہے کی نشانی چھوڑ
آئے۔ مگر اسوقت کی اُردو زیادہ تر دلی اور لکھنؤ
کی ٹکسال کی ہوئی ہے۔ محاورات دہلی اور لکھنؤ
کے درباری شعرا اور بیگموں کے منت گزار ہیں۔ یہ
اُردو پنجاب کی نہیں ہے پنجاب میں صرف پچاس
ساٹھ برس سے اس اُردو نے رواج پایا ہے۔
بہرحال ہم مصنف ممدوح الشان کی خدمت
میں اُنکی محنت کے سوارت ہونے پر باوجود بعض
خیالات سے متفق نہونے کے بھی مبارکباد عرض
کرتے ہیں۔
اگر کبھی مرقع لاثر اختلافی امور کی تفصیل کیجائیگی۔
کتاب میں بہت سے پرانے اُردو شاعروں کے نام
اور حالات ہیں جنکا نام مشہور نہیں۔ بیسیوں نظم
ونثر غیر مشہور نایاب کتابوں کی عبارتیں ہیں اور
الفاظ کے لفظی و معنوی تغیرات میں تحقیق سے کام لیا ہے
اہل علم کے مطالعہ کے قابل ہے چھپائی لکھائی کاغذ
بھی خوب ہے بیس اکیس جزو حجم ہے ڈھائی روپیہ
قیمت ہے۔ انجمن ترقی اُردو اسلامیہ کالج لاہور
سے مل سکتی ہے چونکہ ٹوٹے اقوروں اور تعصب
بیجا انصافوں سے نہیں بلکہ اہل علم سے التماس ہے
کہ کتاب منگوا کے دیکھیں اور جس مقام پر مصنف
کی تحقیق کمزور ہو مصنف کو اسکی اصلاح کا مشورہ
دیں تا کہ دوبارہ یہ کتاب بہتر اور صاف مکمل
ہو۔ اور پھر ہم کہیں کہ بھائی شیرانی صاحب
بیشک اُردو زبان آپ کی اور آپ کے
پنجاب کی۔

مولانا پنچ کی نوٹ بک

وان لنگر ہشت ہمہ روم ہے لنبیدا
یاں جیب خزانہ میں مدو پیپہ ساپا

سُنتے ہیں ۱۹۲۹ء کے فوجی احکام کے بموجب سکریٹری آف اسٹیٹ نے فوجی پنشن میں پچیس فیصدی کا اضافہ منظور فرمایا ہے۔ تھوڑا نہ بہت پچیس فیصدی۔ یہ رقم ہندوستانی فوجی ملازمون کی بیواؤں اور یتیموں کو ملے گی۔ اس سے تو مطلب نہیں کہ عام رعایا ادھر کے بھوکی بھوک کی ہو گی یا یتیم۔ مگر ہے فوجی تنیاں بیلڑا ہے نذر۔

حملۂ تہذیب

افواہ ہے کہ سردار بہادر جناب سنگھ صدر کونسل پنجاب سکنڈ کلاس میں سفر کر رہے تھے جیسے ہی انھوں نے گاڑی میں داخل ہونا چاہا انگریزون نے گردن میں ہاتھ دیا۔ سردار صاحب پہلے تو چپ رہے آخر طبیعت موری کی کنگی یاد آ گئی اور آپ نے کنٹرون کی حکمت کا جواب دینا چاہا ادھر سے پنچ بھاؤ کر کہا کہ اللہ نے خیر کی۔ دیکھیے سردار صاحب کب کسمسل جاتے ہیں۔

دوازدہ چند لارڈ اردن کی مخالفت

مشہور ہے کہ نظام دکن باوجود عظیم تاثی دعوی الحاق ہمارے دست بردار نہیں ہوتے اور صاحم بڑو دعا کا ٹھیا مار رہے بیار دانہ چرا نے کی زمین میں ہیں۔ یہ دوازدہ چند حضرت دہلی میں یہ چند موجود نہیں ہے کہ ریاست کے کسی فرسودہ حقوق وصدہا رئیس قائم رکھے ترقی کی دنگل میں پیدا کرنے کے معنی نہیں ہیں۔ ترقی مضر ہے اگر یہ پوشاک پہننے میں دوسرے کے اور عریاں انسان کرنے میں ٹیکس عائد کرنے میں ہم سے کوئی شب کرنے میں بے پردگی ہیں۔ گھڑ دوڑ کی بازی میں روایت کی سیر کرتے ہیں۔ بھائی جی صاحب نے ابھی اپنا کام ختم نہیں کیا۔ دوم تو ابھی عمر وخشد برادر گیسل کی یہ آمادگی درست نہیں۔

کچھ مضائقہ نہیں

ایک دوست ہم سے طالب جواب ہیں کہ تاریخ پروپیگنڈے سے ہمیشہ اودھ پنچ دور رہا ہے جو ایک ہر ماں ۱۱ء اودھ پنچ کو پروپیگنڈسٹ کے لقب سے یاد کرتا ہے اسکے کیا معنی دوست! تم نے اللہ میاں اور شیطان کا سوال جواب قرآن میں پڑھا ہو گا۔ علامہ مسٹر ابلیس بھی دوگانہ رہو تھوڑا لکھتے ہیں "خیبا اغویتنی" اسوجہ سے کہ تو نے گمراہ کیا میں بھی تیرے بندوں کو صراط مستقیم تک پہنچنے دوں گا۔ پروپیگنڈے اور ان میں تھوڑا ہی سا فرق ہے۔ اگر اللہ میاں اپنے بارے میں ایک گستاخ کی زبان سے "اغویتنی" کا الزام سن کے ٹال گئے تو ہم بھی آخر اسی کے بندے ہیں۔ ہم نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجیے۔ تھوڑے دنوں میں عقل کھل جائیگی جو آخر میں ہنستا ہے اسکی ہنسی خوب رہتی ہے۔

جنگ شمشیر و قلم

دیے اور ترکل یانگ کا مقابلہ ہی کیا مگر جب کبھی تلوار اور قلم کا آمنا سامنا ہوا تو قلم ہی غالب رہا اگر قلم کی گردن پر بھی شمشیر جان نے برہنہ ہو کے چوٹ کی اور قلم دکھنے کی طرزی تو وہ اور تیزی سے چل ہو گئے اور گھے ہوئے حرفوں میں بھی شمشیر جان کے گناہوں کی فہرست لکھے۔ سر کٹنے کے بعد روانی سے روہ نہیں رکیا ہے۔ سپاہی کے ہاتھ سے تلوار چھن جائے گر جائے تو میاں سپاہی بے بس ہو جاتے ہیں لیکن ترک تازیانہ قلم کسی کے روکے نہیں رکتا کاغذی میدان میں لنگڑی ٹانگ سے رستم خانی اور جل دکے ایسے ایسے ہاتھ دکھلاتا ہے کہ بڑے بڑے جرار لشکر تقرا کے منھ پھیر لیتے ہیں۔ بھاگے پناہ نہیں ملتی۔ مدرس صاحب ہیروقت تھے اگر وہ قلم کا نام نہ لیتے اور خالی سپاہیانہ کا قلم کے حکومت کا دعوی کرتے تو آج انکے جسم پر یہاں سے نہ ہوتا۔ ہمارے نزدیک بیہادر قیاس تھا کہ میاں پٹیالہ شمشیر تا خول ودنعت کمینی اسکے سردار دیوان سنگھ مفتون ہم

ریاست دہلی پر چیپ رہا ہے میں گھر کی کر ہیا ہے کے ہاں نمبر میں ایک دنگی مضمون شائع ہوا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ پٹیالے کی تلوار سے ملان نہیں بھری پچھے جریدہ "ریاست" کے قلم پر یا انگ "ریاست" کی گردن پھاڑ کرنے والی ہے۔ ریاستی نزہت کا مستحق بھی ہے تو سردار دیوان سنگھ کا کچھ نہ بگڑے گا۔ ایک جان ہے جا ہے خدا لے جا ہے جہاں لے مگر خدا بچائے قلم کے بھرت یا نشیلا پر پڑیا ہیں ہے یہ جو اپنی منتوں گردن سے کے چلتا تو پھر تو بجلی کی دھونی سے اترے گا نہ حاضرات سے نہ گنڈے سے عاملوں کے گنڈے سے تو نہ ہے۔

ایک یہ شوق لڑکا استاد کے حق میں دعا ے بد کر رہا تھا۔ اسکی مولوی کا جنازہ نکلے مولوی صاحب سنا تو ہنسے اور کہنے لگے: بیٹا بابا کا جنازہ نکالو میں مر جاؤں گا تو تمہارے پاس دوسرا جبار مولوی نوکر رکھ لینگے: مسٹر سیوا کی پٹی کشنر جو صافتوں کے دشمن تھے جو صافتوں کی تلاش میں اکثر بھیس بدلے کے نکلتے تھے ایک دفعہ انھوں نے کسی چپڑی کی ملن کی زبان سے اپنے کانوں سنا کہ یہ ڈازی… مسیر گوارے ایکا عبرانی نے جائے: مسٹر سیوا کے ضبط نہ کر سکے اسی زبان میں کہنے لگے: تمہا جو چیٹ ہے تو سارے رعوی میہ ہاک ہے الٹی یونڈا بھی رستہ رہے گا۔ جو بھی کرے گا تو ذمانہ بھر سزا دے گا۔

اس پیروکی سے زیادہ مناسب ہے کہ پٹیالے کی کہ اپنا چین ٹھیک رکھے جو پل طرح سے ظہیری نہ کر سکی گی ہے تو سردار دیوان سنگھ کے قائم مقام ایک نہیں ہزاروں موجود ہیں۔

ان ایک ہزاروں ہے جب تلوار کند ہو جائے تو قلم سے تلوار سے بھی پٹیالے سنگھ جانا پڑتا ہے دہ لکھول ولا خزانہ۔

ارادہ

ایک سلسلہ اخبر چند روز ہوا ہے کہ عنوان سے عنقریب مشغول آرا بیگم صاحب لکھنے والی ہیں مگر ہمارے وطن میں ایسے مضامین کی قدر نہیں۔ اس وجہ سے مل جو کچھ نہیں ہو اسید دار ہو جا تھ

غذا — روحانی

معارف النغمات

لیجئے

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی

اور

ایک گراموفون کیطرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

اس کے حصہ اول کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تاحال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے

حصہ دوم میں مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

لیجئے

تان سین کے عہد سے لے کے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے

اُستاد محمد علی خان

میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں انسے نقل کی گئی ہیں لطف یہ ہے کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت صراحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جس طرح کہ استاد خود تعلیم دیتا ہے۔ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مفاہیم کا سرمایہ نادر آپکو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقت مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت کا کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا۔ تمام ہندوستان کے استادوں کا سرمایہ نایاب ہیں ہو دہ ہے۔ قیمت پانچ روپیہ حصہ اول کی ۱للعہ فی جلد۔ محصول ڈاک ہر حال ذمہ خریدار۔ المشتہر۔ نمبر اودھ پنچ لکھنؤ
